OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.9 Issue 10 December 2021

روایت بالمعنیٰ اور اس کی شرعی حیثیت

(HADITH NARRATION IN THE MEANING AND ITS AUTHENTICITY)

Ayesha Tariq
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Prof. Dr. Muhammad Saad Siddiqui
Ex.Director, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Abstract: Hadith is the second main source of Islamic Law, valid forever. Hadith was transmitted in two ways.one is narration by words (Riwayatbillafz) and the other is narration in the meaning (Riwayatbilmana). One group of Traditionalists opposes Hadith's narration in the meaning while the other gives permission with some conditions. Orientalists have made objection on the narration of Hadith in this way, TheTraditionalists have clear the blame in a very sensible mode. The article deals with the above mentioned issues in detail.
Keywords: Hadith Narration, Hadith Authenticity.

محدثین میں نقل روایت کے دو اسالیب پائے جاتے ہیں، روایت باللفظ اور روایت بالمعنیٰ۔ بعض مقامات پر مخصوص شرائط کے ساتھ روایت بالمعنیٰ کو بھی قبول کیا جاتا ہے۔ روایت بالمعنیٰ کی اس قبولیت کو بادی النظر سے دیکھنے والے کچھ طبقات بسا اوقات حدیث کی حجیت پر سوال اٹھاتے ہیں۔ اس قسم کے شکوک وشبہات کے ازالہ وابطال کے لیے مقالہ ہذا میں روایت بالمعنیٰ کے جواز و عدم جواز اور شرائط پر بحث کرتے ہوئے علمائے سو اور مستشرقین و منکرین حدیث کی ناپاک سازشوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

روایت، روی ، یروی کا مصدر ہے جس کا معنی ہے سیراب کرنا۔[1] روایت بالمعنیٰ یہ ہے کہ راوی، روایت کے الفاظ کی بجائے معانی کو اپنے الفاظ میں بیان کرے۔[2] حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

إِذَا أَرَادَ رِوَايَةَ مَا سَمِعَهُ عَلَى مَعْنَاهُ دُونَ لَفْظِهِ:[3]

(جب وہ سنی ہوئی بات کے الفاظ کی بجائے معانی کی روایت کرے تو یہ روایت بالمعنیٰ ہوگی۔)

اگر قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ روایت بالمعنی کا اسلوب اللہ پاک کی سنت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اسے اختیار کیا گیا۔ مثال ملاحظہ ہو:

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ [4]

(پس موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ذرا سی دیر ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمہارے پاس لاؤں۔) دوسرے مقام پر بِشِهَابٍ[5] کا لفظ آیا ہے، پھر جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ[6] کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

قرآن کریم کی ان تمام آیات و واقعات پر غور کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر قائل کا اصل منشا و مقصد اپنی جگہ محفوظ رہے تو الفاظ یا ان کی ترتیب وغیرہ کا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے حرام قرار دیا جائے۔

احادیث کے بالمعنیٰ مروی ہونے کی حقیقت

اگر پورے ذخیرۂ احادیث پر نظر کی جائے تو ہمیں اس میں تین قسم کی احادیث ملیں گی:

1۔ قولی 2۔ فعلی 3۔ تقریری

حدیث کی ان تینوں قسموں میں سے روایت بالمعنیٰ کی ضرورت صرف قولی احادیث کے نقل کرنے میں ہی پیش آسکتی ہے۔ فعلی اور تقریری احادیث کے نقل کرنے میں تحفظ الفاظ کا اہتمام کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ جو شخص جس طرح رسول اللہ ﷺ کو کوئی فعل کرتے یا آپ ﷺ کے سامنے کیے گئے کسی فعل بلا نکیر کو دیکھے گا اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دے گا۔ اس میں مختلف بیان کرنے والوں کے کلمات میں الفاظ کی مختلف ترتیب، تقدیم و تاخیر اور اختصار و تفصیل وغیرہ کی گنجائش موجود ہے۔ یہ عقلاً اور عملاً بعید از امکان ہے کہ چند لوگ کسی واقعہ کو نقل کریں اور ان تمام کے الفاظ یکساں ہوں۔ چنانچہ کسی فعلی یا تقریری حدیث کی روایت میں "روایت باللفظ" اور "روایت بالمعنی" کی تفریق محض مہمل اور بے معنی ہی قرار دی جائے گی۔

پھر جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی قولی احادیث کو نقل کرنے کا تعلق ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے ان احادیث کے بھی ایک اچھے خاصے حصہ ،احادیث قدسیہ ، اذان واقامت کے کلمات ،عبادات سے متعلق اذکار اور ادعیہ مسنونہ وغیرہ کو اصل الفاظ و معانی برقرار رکھتے ہوئے بعینہ ہم تک منتقل کر دیا ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ بقیہ قولی احادیث کو نقل کرنے میں بھی ارشادات نبوی ﷺ کے اصل الفاظ کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش واحتیاط کی گئی ہے۔ دعوت و تبلیغ کی حجت کے اتمام کی غرض سے صرف ناگزیر حالات ہی میں روایت بالمعنی کا سہارا لیا گیا ہے، لیکن وہاں بھی ان ناقلین کی حتی الوسع کوشش یہی رہی ہے کہ الفاظ کی ظاہری ہیئت یا ترتیب میں اگر تھوڑا سا اختلاف ہو جائے تو بھی ادائے منشا و مقصود میں کوئی فرق واقع نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ڈاکٹر لقمان سلفی لکھتے ہیں کہ عہد تدوین تک حاملین سنت کے پاس سنت نبوی ﷺ ان تمام صفات کے ساتھ موجود تھی، جو اس کے محفوظ ہونے کے لیے ضروری ہیں، لہذا محدثین نے سنت کو صحاح اور مسانید میں اصل الفاظ نبوی ﷺ یا اس کے قریب تر الفاظ و تراکیب کے ساتھ، معنی کلام کی ادائیگی میں تمام الادا، غرض و مقاصد کے اظہار میں تمام الایفا، طریقہ پر مدون کر دیا ہے۔[7]

روایت بالمعنیٰ کے متعلق علمائے اسلام کا مؤقف

روایت بالمعنیٰ کے متعلق اہل علم حضرات کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں عموماً علمائے کرام کے دو مختلف مؤقف ملتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

1۔ علما کا ایک گروہ روایت بالمعنی کو مطلقاً ناجائز سمجھتا ہے۔

2۔دوسرا گروہ روایت باللفظ کوواجب کی بجائے اولی تو سمجھتا ہے لیکن اس کے ساتھ روایت بالمعنی کو بھی مطلقاً جائز قرار دیتا ہے۔

1۔مانعین روایت بالمعنٰی اوران کے دلائل

محدثین ،فقہااور شافعی علمائے اصول وغیر ھم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً ناجائز ہے۔[8] بعض علمانے تواس بارے میں اس قدر شدت اختیار کی ہے کہ علامہ سخاوی کے نزدیک کلمات وحروف کی تقدیم وتاخیر ،حروف کاابدال، حروف کی زیادتی یاحذف، ثقیل کی تخفیف یا تخفیف کی تثقیل، منصوب کارفع یامجرور کانصب وغیرہ بھی جائز نہیں ہے،خواہ ان تمام چیزوں سے معانی میں کوئی تغیر واقع نہ ہوتاہو بلکہ ان میں سے بعض علماکا روایت باللفظ پراس قدر اصرار ہے کہ اگر مروی الفاظ باعتبار لغت فصاحت کے خلاف ہوں تو بھی انہی الفاظ پر اقتصار کرنا چاہیے۔[9]

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ روایت باللفظ کے معاملہ میں بہت متشدد تھے اور حدیث کے الفاظ کی ادائیگی میں انتہائی دقت سے کام لیتے تھے تاکہ احادیث رسول ﷺ ہر قسم کی تحریفات سے محفوظ رہ سکیں اور روایت بالمعنی کی صورت میں خطاکے امکان یاکم ازکم اس کے خدشات کا مؤثر سدباب ہوسکے۔ابو جعفر محمد بن علی سے منقول ہے:

ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حدیث سنتے اس میں زیادتی کرتے نہ کمی اور نہ اس میں تجاوز و کوتاہی کرتے۔[10]

خطیب لکھتے ہیں کہ وکیع بیان کرتے ہیں کہ میں نے اعمش کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

> یہ علم ان لوگوں کے پاس تھا کہ ان میں سے ایک شخص واؤ،الف یادال کااضافہ کرنے کی بجائے آسمان سے گرنے کو زیادہ پسند کرتا۔[11]

اس میں استدلال کی بنیاد وہی حدیث ہے جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے راویوں سے مروی ہے جس میں یہ کہا گیاہے: اداها كما سمعها (یعنی اس طرح ادا کیا جائے جیسے سنا جائے)اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انہی الفاظ کو سامنے رکھا جائے جن میں وہ مفہوم ادا کیا جائے۔۔اس میں تعبد کا پہلو ہے جیسے صلوۃ کی تکبیر اور تشہد وغیرہ۔ جن لوگوں کے نزدیک روایت بالمعنی ناجائز ہے،انہیں اس بات کااندیشہ ہے کہ روایت بالمعنی میں حدیث کی اصل مراد ضائع نہ ہوجائے،اس کے الفاظ کاخیال رکھنانہایت ضروری ہے۔[12]

مانعین روایت بالمعنیٰ کے دلائل کا تنقیدی جائزہ

پہلی دلیل:

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّار[13]

لیکن یہ حدیث اصلاً آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے سے متعلق ہے۔ شارح بخاری، حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

جو لوگ روایت بالمعنی سے منع کرتے ہیں انہوں نے اس روایت کے ظاہری الفاظ کے ساتھ تمسک کیا ہے مگر جو اس کو جائز رکھتے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ اس ممانعت سے مراد ان الفاظ کا لانا ہے جو حکم میں تغیر کے موجب ہوں۔ البتہ حدیث کو باللفظ روایت کرنے کی اولیت میں کوئی شک نہیں ہے۔[14]

پس مانعین کی یہ دلیل کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتی۔ واللہ اعلم بالثواب۔

دوسری دلیل:

ارشاد نبوی ﷺ: فَقُلْتُ أَسْتَذْكِرُهُنَّ: وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ. قَالَ: لاَ، «وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ»[15] (میں نے کہا تیرا وہ رسول جسے تو نے مبعوث کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تیرا وہ نبی جسے تو نے رسول بنا کر بھیجا۔) جہاں تک اس حدیث سے حجت پکڑنے کا سوال ہے تو بقول امام سخاویؒ: آپ کا یہاں منع فرمانا دراصل اذکار کے الفاظ ہونے کے باعث ہے کہ جس میں توقیفیت ہوتی ہے۔ اس کے اپنے اسرار و خصائص ہوتے ہیں کہ جس میں عقل و قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ لہذا ان الفاظ کی محافظت ہی واجب ہے۔[16]

تیسری دلیل:

حدیث: نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا[17] روایت بالمعنی کے مانعین کی اس تیسری دلیل کا جواب علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ یوں دیتے ہیں:

کماسمعھا یعنی جس طرح سنا ہے اسی طرح ادائیگی محض الفاظ کے نقل کرنے تک مقصود نہیں ہے بلکہ بغیر تغیر کے اس کے معنی کا نقل کرنا بھی اسی دائرہ میں آتا ہے۔"[18]

اس دلیل کاایک جواب یہ بھی دیاجاسکتاہے کہ اس حدیث کوصرف ایک ہی موقع پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایاتھا،لیکن اس کی بعض روایات میں "نضر اللہ" کے بجائے "رحم اللہ" ہے،"من سمع" کے بجائے "امرءا سمع"، مقالتی" کے بجائے "حدیثا"، بلغہ "کے بجائے "اداہ"،فرب مبلغ افقہ من مبلغ کے بجائے "فرب مبلغ اوعی من سامع "اور"رب حامل فقہ لا فقہ لہ "کے بجائے "لیس بفقیہ "کے الفاظ مروی ہیں۔اگرچہ یہ تمام الفاظ ہم معنی ہیں لیکن باہم ان کا متغایر ہوناان کے بالمعنی مروی ہونے پر دلالت کرتاہے،جیساکہ علامہ خطیب بغدادی نے بھی بیان کیاہے۔[19] پس جو حدیث اپنی ذات میں بالمعنی مروی ہو وہ روایت بالمعنی کے انکار پر دلیل کیوں کر بن سکتی ہے؟

دوسرا گروہ:

علما کے اس دوسرے گروہ میں وہ حضرات شامل ہیں جن کا مؤقف یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ہر حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے ساتھ بلا تقدیم و تاخیر اور زیادتی و نقص کے ادا کرنا ہی واجب ہے،لیکن اگر حدیث کا تعلق کسی امتی سے ہو اور اصل الفاظ کی محافظت اور ادائیگی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس روایت کا اصل معنی و مقصد درست طور پر ادا ہو جاتاہے یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتاہے تو ایسی روایت میں کوئی حرج نہیں سمجھا جائے گا۔

علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل باب ہی اس عنوان سے قائم کیاہے:"بَابُ ذِكْرِ الْحِكَايَةِ عَمَّنْ قَالَ: يَجِبُ أَدَاءُ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى لَفْظِهِ , وَيَجُوزُ رِوَايَةُ غَيْرِهِ عَلَى الْمَعْنَى"[20] اور اس باب کے تحت جو روایات نقل کی ہیں،ان کا خلاصہ یہ ہے:

سعید بن عفیر بیان کرتے ہیں کہ مالک بن انس کا قول ہے:

كُلُّ حَدِيثٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَدَّى عَلَى لَفْظِهِ وَعَلَى مَا رُوِيَ , وَمَا كَانَ عَنْ غَيْرِهِ فَلَا بَأْسَ إِذَا أَصَابَ الْمَعْنَى[21]

صحابہ رضی اللہ عنہم اور کبار تابعینؒ سے روایت بالمعنیٰ کے نظائر

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور اولین سلف وصالحین کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتاہے کہ ان کی ایک جماعت روایت بالمعنی کی قائل رہی ہے۔غازی عزیر نے اپنی کتاب میں جن صحابہ کرام کی فہرست دی ہے وہ درج ذیل ہے۔حضرت علیؓ،عبداللہ ابن عباسؓ،جابر بن عبداللہؓ،ابوسعید خدریؓ،انس بن مالکؓ،ابوالدرداؓ،سلیمان بن اکیمہ اللیثیؓ،ابی

بن کعبؓ، واثلہ بن الاسقعؓ، ابوہریرہؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ وغیرہ اور تابعین کرام نیز اولین سلف وصالحین میں حسن بصریؒ، شعبی، عمرو بن دینارؒ، ابراہیم النخعیؒ، ابن ابی نجیح، مجاہد، عکرمہؒ، سفیان الثوری، ابن عیینہؒ، عمرو بن مرہؒ، وکیعؒ، امام مالکؒ ،امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوحنیفہؒ اور اکثر محدثین بالخصوص امام یحیی بن سعید القطانؒ اور امام بخاریؒ وغیرھما کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔[22]

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اگر راوی الفاظ اور ان کے مقاصد کا عالم ہو تو اس کی روایت بالمعنی کے بارے میں سلف، اصحاب حدیث اور ارباب فقہ واصول کے ہاں اختلاف ہے۔ اکثریت نے اسے جائز قرار دیا ہے۔[23]

تابعی زرارہ بن اوفیؒ کا قول ہے:

لقیت اناسامن الصحابة فاجتمعوافی المعنی واختلفواعلی فی اللفظ فقلت ذلک لبعضهم فقال لاباس به مالم یخل معناه[24]

شعیب بن الحجاب سے مروی ہے کہ میں اور غیلان بن جریر حضرت حسن کے پاس پہنچے اور ہم نے کہا: اے ابوسعید ایک شخص حدیث بیان کرتے ہوئے اس میں کچھ اضافہ یا کمی کر دیتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کذب کا الزام تو اس پر عائد ہوتا ہے جو ارادۃً ایسا کرے۔[25]

روایت بالمعنی مشاہیر علما کی نظر میں:

علامہ خطیب بغدادی نے اس بارے میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے:"باب ذکرالحجة فی اجازة روایة الحدیث علی المعنی۔"[26]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

روایت بالمعنی میں اختلاف مشہور ہے۔ اکثر محدثین روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز کے لیے جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان میں سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ وہ عجمی عالم جو علم حدیث اور عربی زبان کا ماہر ہو وہ تبلیغ واشاعت کے لیے عربی الفاظ کی ترجمانی اپنی مادری زبان میں کر سکتا ہے اور جب عربی زبان کی ترجمانی کسی عجمی زبان میں جائز ہے تو عربی کی خود عربی زبان ہی میں ترجمانی اولی ہوئی۔(لہذا کس

طرح ناجائز ہوسکتی ہے۔) بعض کے نزدیک مفرد الفاظ میں روایت بالمعنی جائز ہے لیکن مرکبات میں منع ہے۔ بعض کے نزدیک جسے حدیث کے اصل الفاظ یاد ہوں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ پوری طرح اس میں ہونے والے تصرف پر قادر ہو، لیکن بعض نے اس کے برعکس یوں فرمایا ہے کہ جس شخص کو حدیث کے اصل الفاظ بھول جائیں اور ان کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین ہو وہ استنباط مسائل کے لیے روایت بالمعنی کر سکتا ہے اور جب الفاظ یاد ہوں تو اس کے لیے بلفظہ روایت کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ ساری بحث جواز اور عدم جواز سے تعلق رکھتی ہے ،ورنہ افضل بات یہی ہے کہ ہر حدیث کو اپنے اصل الفاظ میں بلا تصرف بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔[27]

امام غزالی،ابن الحاجب اور آمدی وغیرھم نے بھی احکام شریعت کو عجمی زبانوں میں ترجمہ وتشریح کرنے کے جواز پر ائمہ کے اتفاق کی طرف اشارہ کیا ہے بشرطیکہ مترجم ان زبانوں کا خوب جاننے والا ہو۔ان کا قول ہے کہ جب دوسری زبانوں میں بالمعنی الفاظ کا بدلنا جائز ہے تو عربی ہی میں یہ ابدال بدرجہ اولی جائز ہونا چاہیے۔[28]

امام جزریؒ فرماتے ہیں:

أما العالم بالفرق بين المحتمل وغير المحتمل، والظاهر والأظهر، والعام والأعم، فقد جوز له ذلك الشافعي وأبو حنيفة وجماهير الفقهاء، ومعظم أهل الحديث.[29]

مختصر یہ کہ قاضی عیاض کا قول ہے کہ روایت بالمعنی کا باب بند کر دینا چاہیے تاکہ بر خود غلط اور جہل مرکب میں مبتلا راوی جو ماہر نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ماہر سمجھتے ہیں روایت بالمعنی کی جسارت نہ کریں جیسا کہ قدیم اور حدیث ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔[30]

روایت بالمعنی کے جواز کے لیے شرائط:

روایت بالمعنی کی مختلف النوع مذکورہ بالا تمام شرائط میں سے جن چند شرائط پر اکثر علما و محققین کا اتفاق ہے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔راوی عربی زبان کے اسرار ورموز سے بخوبی آگاہ ہو۔

2۔شریعت کی غایات ومقاصد کو جانتا ہو۔

3۔جس حدیث کی روایت بالمعنی کرنا چاہتا ہو وہ جوامع الکلم کی قبیل سے نہ ہو۔[31]

4۔وہ حدیث ایسی بھی نہ ہو کہ اس کے الفاظ عبادت شمار ہوتے ہوں،مثلاً ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ وغیرہ پر مشتمل حدیث۔[32]

5۔راوی جس حدیث کی روایت بالمعنی کا خواہاں ہے اسے اس کے اصل الفاظ یاد نہ ہوں لیکن اس کا معنی قطعی طور پر محفوظ ہو اور وہ اسے پوری طرح اپنے الفاظ میں ادا بھی کر دے۔[33]

اگر کوئی راوی ان تمام شرائط پر پورا نہ اترے تو اس کے لیے حدیث کی روایت بالمعنی جائز نہیں سمجھی جائے گی۔واللہ اعلم

روایت بالمعنی کی صورت میں سلف صالحین کی احتیاط اور اس کی چند مثالیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ،تابعین عظام اور محدثین نے ضبط احادیث،حفظ روایت اور نقل و تحمل سنن و آثار کے معاملہ میں حد درجہ حزم واحتیاط فرمائی ہے،چنانچہ امام ذہبی اور امام سخاویؒ وغیر ہما نے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں احتیاط فی الحدیث کے واقعات کو بکثرت نقل فرمایا ہے۔امام ذہبی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

> آپ رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ ﷺ کو ہر زیادت و نقصان سے محفوظ رکھنے کا سخت اہتمام فرماتے تھے۔آپ کو ضبط روایت کا اس قدر خیال تھا کہ آپ نے اپنے مشہور تلمیذ حضرت نافع کو جو حدیثیں لکھوائیں وہ سب اپنی موجودگی میں بٹھا کر لکھوائیں تاکہ کمی و بیشی کا ادنی سا بھی احتمال نہ رہے۔[34]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ضبط احادیث اور بیان روایت میں سخت احتیاط اور پابندی کو ملحوظ رکھتے تھے۔[35] امام دارمی بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے کہ باہم حدیثوں کا مذاکرہ کرتے رہو،کیونکہ مذاکرہ ہی اس کے بقا کی ضمانت ہے۔[36] حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے تلامذہ سے فرماتے تھے:(آپس میں ملاکر حدیث کا درس و مذاکرہ جاری رکھو،اس کی طرف سے غفلت نہ برتو کہ مٹ جائے۔[37]

روایت حدیث کے سلسلہ میں صحابہ کرام ،تابعین ،اتباع تابعین اور محدثین کرام کی غایت درجہ احتیاط و امانت کے اہتمام کا اندازہ حزم واحتیاط کے ان کلمات سے بھی ہو سکتا ہے جو حدیث کے الفاظ میں شک پیدا ہو جانے کی صورت میں ان سے منقول ہیں۔مثال کے طور پر:

1۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں لفظ عشا تھا یا عتمۃ، دو مختلف راویوں سے یہ دونوں الفاظ مروی ہیں۔ لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ کی تعبیر میں ائمہ حدیث نے احتیاطاً دونوں الفاظ روایت کر دیے ہیں، اگرچہ ان دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالعِشَاءِوَقَالَ بَعْضُهُمْ، عَنْ عَائِشَةَ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالعَتَمَةِ[38]

2۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک موقع پر منقول ہے: "وَمَعَنَا عُكَّازَةٌ أَوْ عَصًا أَوْ عَنَزَةٌ"[39] حالانکہ دونوں الفاظ کے معنی لاٹھی ہی کے ہیں۔

3۔ سترہ کے بارہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے جو حدیث مروی ہے اس میں صرف اربعین یعنی چالیس کا لفظ وارد ہے، لیکن اس چالیس سے مراد کیا ہے، اس کی تعیین مروی نہیں ہے۔ لہذا امام بخاریؒ نے ابوالنصر کا یہ قول نقل فرمایا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے چالیس دن فرمایا یا چالیس ماہ یا چالیس سال۔[40]

اسی طرح اگر راوی کو کسی حدیث میں الفاظ کی تقدیم وتاخیر کے متعلق یا اپنے حافظہ کے بارے میں شک ہوا ہے تو وہ بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے، مثلاً:

1۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے "اهل بيتى والانصار عيبتى وكرشى" فرمایا تھا یا "كرشى وعيبتى" فرمایا تھا۔[41]

2۔ زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قريش والانصاروا سلم وغفار یا "غفار واسلم"[42]

مندرجہ بالا تمام دلائل کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہمارے سلف وصالحین نے عہد تدوین تک سنت نبوی ﷺ کو ہر طرح کے نقائص سے محفوظ رکھنے میں کسی طرح کی کوتاہی یا سہل انگاری سے کام نہیں لیا بلکہ اس کے حفظ وضبط اور نقل وادا میں ہر ممکن احتیاط وطریقہ کو اپنایا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ صحاح ومسانید میں جو صحیح احادیث مدون ہیں، ان کے حفظ وضبط وادا کے متعلق خواہ مخواہ کسی طرح کے شک وشبہ میں مبتلا ہوا جائے۔ سنت نبوی ﷺ آج بھی

اصل الفاظ نبوی یا اس کے قریب تر الفاظ وتراکیب کے ساتھ اور معنوی اعتبار سے قطعاً انہی تمام صفات کے ساتھ محفوظ ہے جو اس کے محفوظ ہونے کے لیے ضروری ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ میں روایت بالمعنیٰ اور مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

مستشرقین جن دو شخصیات کو خاص طور پر اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، ان میں ایک مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (5374 مرویات) اور دوسرے نامور تابعی امام ابن شہاب زہریؒ (2200 مرویات) ہیں۔ اگر مذکورہ شخصیات کو نقد کا نشانہ بنا دیا جائے تو احادیث کا اچھا خاصا ذخیرہ سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔ مستشرقین نے ان دو شخصیات پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان میں سے روایت بالمعنیٰ کے حوالہ سے اعتراضات کا جائزہ بالاختصار پیش کیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ، أَوْ كَلْبَ غَنَمٍ، أَوْ مَاشِيَةٍ»، فَقِيلَ لِابْنِ عُمَرَ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: «أَوْ كَلْبَ زَرْعٍ»، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: «إِنَّ لِأَبِي هُرَيْرَةَ زَرْعًا»[43]

(رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا، سوائے اس کتے کے جو شکار اور مویشیوں کی حفاظت کے لیے رکھا گیا ہو۔ ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو یہ الفاظ بھی بیان کرتے تھے کہ کھیتی کی حفاظت کے لیے رکھا جانے والا کتا بھی ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔ یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "ابوہریرہ کے کھیت جو تھے۔")

مشہور مستشرق گولڈزیہر نے مذکورہ بالا روایت سے بڑے عجیب وغریب نتائج اخذ کیے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

> The possibilities which the Muslims admit themselves in this field are evident from a tradition in which the authorities seem to give away the secret quite unconsciously…This remark of Ibn Umar is characteristic of the doubt about the good faith of the transmitters that existed even in the earliest period of the formation of tradition.[44]

(روایت حدیث میں ملاوٹ کے جن امکانات کا خود مسلمان اعتراف کرتے ہیں، وہ ایک روایت سے واضح ہوتا ہے جس میں مستند لوگوں نے بالکل غیر شعوری طور پر حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا ہے۔۔۔ابن

عمر (رضی اللہ عنہ) کے اس تبصرہ سے رواۃ حدیث کی امانت و دیانت کے بارے میں اس شک وشبے کا اظہار ہوتا ہے جو تدوین حدیث کے بالکل ابتدائی ادوار سے موجود رہا ہے۔)

مشہور مستشرق آرائے نکلسن (Nicholson) نے بھی زیر تبصرہ روایت پر تنقید کی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ کتوں کے قتل سے کھیتی کے کتے کا استثنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اضافہ ہے۔ موصوف کہتے ہیں کہ بعض بزرگ صحابہ مثلاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اس عمل کو جائز قرار دیا۔ انہوں نے کتا پالنے کو اس وجہ سے جائز قرار دیا کہ وہ خود کاشتکار تھے۔[45]

ناقدین کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو متہم کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد ہوتے، تب بھی کوئی حرج نہ تھا۔ کیونکہ کسی صحابی کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف جھوٹی بات کو منسوب کرے گا۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی دیگر صحابہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے جس میں کھیت کی حفاظت کے لیے پالا جانے والا کتا، قتل کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

أَنَّ فِي رِوَايَةِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، مِنَ الزِّيَادَةِ: وَرَخَّصَ فِي كَلْبِ الْغَنَمِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرْعِ،[46]

(حضرت یحییٰ بن سعید کی روایت میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بکریوں اور شکار اور کھیتی کے کتے کی اجازت دی۔)

صحیح مسلم میں ہی یہ حدیث سفیان بن زہیر سے مروی ہے۔ اس میں بھی کھیتی کے کتے کے قتل کا حکم سے استثنا مذکور ہے۔[47]

سنن ترمذی اور سنن نسائی میں عبد اللہ بن مغفل کی سند سے اس مفہوم کی روایت موجود ہے۔[48]

گویا اس موضوع کی دیگر روایات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ یہ روایت دیگر کئی اسناد سے مروی ہے۔ نہ ہی یہ تصور کیا جا سکتا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر کوئی طنز کیا۔ یہ سب معترضین کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔

مستشرقین نے حدیث سے اعتماد اٹھانے میں شک کے کانٹے دور تک بکھیرے۔ گولڈ زیہر اور مسٹر شاٹ نے اس معرکے میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں اور عرب ممالک میں حدیث کے خلاف ہر طرف تشکیک کی راہیں کھول دیں۔ الحمدللہ کہ ان ممالک میں جامعہ ازہر اور سعودی عرب کے بعض علمانے اس محاذ پر کام کیا ہے اور اس فتنے کا پوری طرح سد باب کیا ہے۔[49]

برصغیر پاک وہند براہ راست برطانوی عملداری میں تھا۔ یہاں ان لوگوں کو کام کرنے کے بہت مواقع میسر آئے۔ عربی زبان نہ جاننے کے باعث بڑے بڑے مفکرین ان سے متاثر ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ فتنہ انکار حدیث جو اور کسی جگہ اپنی جڑیں زیر زمین نہ لے جاسکا تھا، پاک وہند میں الحاد کی پوری توانائی اور کم علمی کی پوری ڈھٹائی سے جدید طبقوں میں اپنا پرچم لہرانے لگا۔

برصغیر پاک وہند کے منکرین حدیث اور روایت بالمعنیٰ پر ان کے نظریات کا جائزہ

منکرین حدیث نے علم حدیث پر جو اعتراضات کیے وہ زیادہ تر مستشرقین سے مستعار ہیں۔ منکرین حدیث اور روشن خیال طبقے کی اصولی غلطی یہی ہے کہ انہوں نے اسلام کے ہر حکم کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش میں عقل کی حد اور دائرہ کار کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس اسلوب تحقیق نے خود منکرین حدیث اور جدیدیت پسند دانشوروں کو فکری انتشار کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ذیل میں منکرین حدیث کے روایت بالمعنیٰ پر خیالات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی:

حدیث کی روایات کو معنوی خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ نبی ﷺ کے افکار کی خود ساختہ تشریح و تعبیر اور بے کار کی باتیں ہیں جو بعد میں آنے والوں نے گھڑ لی ہیں۔ لکھتے ہیں:

فی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات، ہزلیات اور دوراز کار اور بے سروپا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بدنما بناتی ہیں، لیکن واضعین حدیث (حدیث بنانے والوں) نے یہ بڑی کاریگری کی کہ اس کو خاتم النبیین کی طرف منسوب کر دیا اور اس طرح اس کے بدشکل چہرہ پر سفید (پاؤڈر) مل دیا۔[50]

2۔ حافظ اسلم جیراجپوری:

آپ فرماتے ہیں:

پہلا اصول روایت بالمعنی کا ہے۔یعنی رسول اللہ ﷺ سے جو روایتیں کی گئی ہیں،وہ باللفظ نہیں بلکہ بالمعنی ہیں اور بلفظہ ہو بھی کیسے سکتی تھیں، کیونکہ حضور کی مجلس میں جو صحابہ موجود ہوتے تھے وہ نہ آپ کی باتیں لکھا کرتے تھے نہ یاد کر کے سنایا کرتے تھے اور ان کو بیان کرنے کا موقع بھی ایک مدت کے بعد پیش آیا اس وجہ سے انہی الفاظ کو نقل کرنا جو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے تھے متعذر تھا لہذا وہ اپنے الفاظ میں بیان کرنے لگے اور اس کو محدثین نے اصولاً جائز قرار دے لیا اور روایت بالمعنیٰ رائج ہو گئی۔[51]

3۔علامہ تمنا عمادی پھلواری:

منکرین حدیث کے حلقے میں یہ نسبتاً صاحب علم سمجھے جاتے ہیں۔آپ کا نظریہ حدیث حسب ذیل ہے:

وہی ایک حدیث صحیح ہے جو قرآن سے قریب تر ہو اور باقی سب غلط۔۔چاہے ان باقی کے راوی کیسے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں اور وہ صحاح ستہ کی متفق علیہ حدیثیں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ ایک حدیث جو قرآن سے قریب تر ہے اس کا راوی کیسا ہی مجروح کیوں نہ ہو اور وہ صحاح ستہ سے باہر ہی کیوں نہ ہو، بلکہ شیعوں کی اصول کافی وغیرہ ہی کی حدیث کیوں نہ ہو۔[52]

4۔غلام محمد پرویز:

"مقام حدیث" میں روایت بالمعنیٰ کا مہیب منظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں (بخاری و مسلم سمیت) ان کے الفاظ رسول اللہ کے نہیں ہیں۔یہ احادیث "روایت بالمعنیٰ" ہیں،یعنی ان کا انداز یہ ہے کہ مثلاً ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا،اس نے اس سے جو کچھ سمجھا اپنے الفاظ میں دوسرے سے بیان کر دیا۔اس نے جو کچھ اخذ کیا اسے آگے منتقل کر دیا۔اب ذرا تصور میں لائیے اس صورت حال کو کہ یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں، مہینہ دو مہینہ ،سال دو سال نہیں ،بلکہ اڑھائی سو سال تک یونہی جاری رہے اور اس کے بعد لوگوں میں پھیلی ہوئی باتوں کو یکجا جمع کیا جائے تو ان باتوں کو پہلے کہنے والے (یعنی نبی ﷺ) کے بیان فرمودہ مفہوم سے جس قدر تعلق ہو گا وہ ظاہر ہے۔آپ ایک کمرے میں دس آدمیوں کو بٹھا کر ایک کان میں کسی واقعے کی تفصیل بیان کیجئے۔اس کے بعد کانوں کان یہ بات منتقل ہوتی ہوئی پھر جب آپ تک پہنچے گی تو آپ دیکھیں گے کہ جو کچھ آپ نے کہا تھا اس میں اور جو کچھ آپ دسویں آدمی سے سن رہے ہیں،اس میں کس قدر فرق

ہو گا، اور جب یہ سلسلہ اڑھائی سو سال تک جاری رہے اور کروڑوں نہیں تو کم از کم لاکھوں آدمیوں کے ذریعے یہ باتیں منتقل ہوتی رہیں تو ان میں جو اصلیت باقی رہ جائے گی، وہ ظاہر ہے۔[53]

خلاصہ یہ کہ حدیث نبوی ﷺ پر طنز و تشکیک کے اس عمل میں اس "روشن خیال" اور فکری و روحانی شکست خوردہ اور مغربی تہذیب کے دلدادہ طبقہ کے ساتھ مغرب نے اپنے علما استشراق کی مدد حاصل کی۔ ان مغربی مستشرقین کے لیے ہر قسم کی مادی آسائشیں فراہم کیں۔ تاکہ تلاش و جستجو کی ہر راہ ان کے لیے ہموار اور آسان ہو جائے، ساتھ ہی ان کے گرد تقدس کے ہالے بھی قائم کر دیے گئے۔ حدیث نبوی ﷺ پر حملہ کرنے والے یہ لوگ استعمار کی فوج کا اقدامی دستہ بن گئے۔ اس طرح اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں پر ایک جنگ چھیڑ دی گئی۔ اندرونی محاذ پر یہ شکست خوردہ لیکن "روشن خیال" مسلمان تھے اور بیرون میں مستشرقین کا ایک ہراول دستہ تھا۔

حوالہ جات و حواشی

[1]۔ راغب اصفہانی، حسن بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، نور محمد اصح المطابع، کارخانہ تجارت کتب، کراچی، س، ن، ص ۲۰۹

2۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اصول الحدیث، 635/1

3۔ ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح، دار الفکر سوریا، دار الفکر المعاصر، بیروت، 1406ھ، 213/1

4۔ طہ، 10:20

5۔ النمل، 7:27

6۔ القصص، 29:28

7۔ السنۃ حجیتھا و مکانتھا فی الاسلام، ص 158-159

8۔ خطیب، الکفایہ، المکتبۃ العلمیۃ، المدینۃ المنورۃ، صفحہ، 198

9۔ سخاوی، فتح المغیث، مکتبۃ السنۃ، مصر، 1424ھ، 140/3

10۔ الکفایہ، ص 171

11۔ ایضاً، ص 171

12۔ الجزائري، طاهر بن صالح، توجيه النظر إلى أصول الأثر، الناشر: مكتبة المطبوعات الإسلامية – حلب، 1416ھ، ص 299

13۔ صحیح بخاری،الناشر:دار طوق النجاۃ،1422ھ،باب:اثم من کذب علی النبی ﷺ،33/1
14۔فتح الباری،الناشر:دارالمعرفۃ-بیروت،1379،1/202
15۔ صحیح بخاری،باب:اذا بات طاھر اوفضلہ،8/68
16۔سخاوی،فتح المغیث،3/146
17۔ابن حجر،فتح الباری،1/177
18۔قواعد التحدیث،الناشر:دار الکتب العلمیۃ-بیروت-لبنان،ص225
19۔الکفایہ،ص202
20۔ایضاً،ص188
21۔ایضاً،ص188
22۔انکار حدیث کا نیا روپ،1/316
23۔مقدمہ ابن الصلاح،ص189؛
24۔ابن رجب،شرح علل الترمذی،الناشر:مکتبۃ المنار-الزرقاء—الأردن،1407ھ،1/149
25۔الکفایہ،ص208؛تدریب الراوی،2/100
26۔الکفایہ،ص198
27۔نزھۃ النظر في توضیح نخبۃ الفکر في مصطلح أھل الأثر،الناشر:مطبعۃ الصباح،دمشق،الطبعۃ:الثالثۃ،1421ھ،ص84
28۔غزالی،المستصفی،الناشر:دار الکتب العلمیۃ،الطبعۃ:الأولی،1413ھ-1993م،1/168
29۔ابن الأثیر،جامع الأصول في أحادیث الرسول،الناشر:مکتبۃ الحلواني،مطبعۃ الملاح،مکتبۃ دار البیان،1389ھ،1/97
30۔السیوطي،تدریب الراوي في شرح تقریب النواوي،الناشر:دار طیبۃ،1/537
31۔سیوطی،تدریب،2/95
32۔تدریب،2/95
33۔نزھۃ النظر،ص95
34۔الذھبي،تذکرۃ الحفاظ،الناشر:دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان،1419ھ،1/39

35۔تذکرۃ الحفاظ،13/1۔14
36۔تدریب،597/2
37۔الرامهرمزي،المحدث الفاصل بين الراوي والواعي،الناشر: دار الفكر–بيروت،الطبعة: الثالثة،1404،ص545
38۔ صحیح بخاری، باب: ذکر العشاء والعتمۃ،117/1
39۔ایضاً،106/1
40۔ایضاً،108/1
41۔خطیب،الکفایہ فی علم الروایہ،ص176۔177؛ سخاوی، فتح المغیث،197/3
42۔ایضاً
43۔ صحیح مسلم، باب: الامر بقتل الکلاب، وبیان نسخہ،1200/3، رقم الحدیث: 1571
44.MUSLIM STUDIES,VOL:2, P:56,GEORGE ALLEN & UNWIN LTD, LONDON
45-A LITERARY HISTORY OF ARABS, P: 182, LONDON, 1907 A.D
46۔ صحیح مسلم،الناشر: دار إحياء التراث العربي–بيروت، باب: حکم ولوغ الکلب،235/1، رقم: 280
47۔ایضاً، باب: الامر بقتل الکلاب، وبیانہ ونسخہ،1204/3، رقم: 1576
48۔سنن ترمذی،الناشر: دار الغرب الإسلامی– بیروت، سنۃ النشر: 1998م، باب: ماجا من امسک کلباً ما ینقص من،3/
132، رقم: 1489
49۔خالد محمود، علامہ، ڈاکٹر، آثار الحدیث،406/2
50۔برہان الفرقان، ص109
51مقام حدیث، ص116
52۔اعجاز القرآن،54/1
53۔مقام حدیث، ص28